# فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زندہ باد

تحریر: جناب غلام سرور قریشی۔ عباس پورہ جہلم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے حکمران تھے کہ جس نے تاریخ پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ ریاست و سیاست اسلام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ وہ کوئی باجبروت بادشاہ نہ تھے۔ جاہ وحشم نہ رکھتے تھے۔ مسجد نبوی ان کا دربار، منبر رسول ان کا تخت، مگر درہ فاروقی کی دھاک ایسی کہ قیصر وکسریٰ جن کے محلات کے کنگرے فلک بوس اور درباروں کے جاہ وجلال سے لوگ لرزہ براندام اور سفرا دم بخود رہتے تھے۔ ان کا نام سن کر تھرا اٹھتے۔ قیصر روم نے ایک وفد مدینہ بھیجا کہ جاکر معلوم کرے، عمر کا محل اور دربار کتنے پر شکوہ ہیں۔ وزیر کو مدینہ میں کوئی محل نہ ملا، جو بادشاہوں کے لائق ہوتا۔ لوگوں سے عمر رضی اللہ عنہ کے محل کے بارے میں استفسار کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک غریبانہ گھر کی طرف اشارہ کیا۔ دفتر ودربار کا پوچھا تو لوگوں نے سادہ سی مسجد نبوی کی نشاندہی کی۔ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو بتایا کہ کہیں دیکھو بیت المال کے اونٹ چراتے ہوں گے۔ دیکھا تو وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی ہیبت سے قیصر دہشت زدہ تھا، درہ سرہانے رکھے فرشِ خاکی پر اس حال میں محو استراحت تھے کہ آدھا جسم دھوپ میں تھا اور بیت المال کے اونٹ آس پاس چر رہے تھے۔ ملکوں کے حکمران سوچیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی دھاک کا راز کیا تھا۔ صرف عدل گستری اور رعایا پروری۔ مسلم اور غیر مسلم مؤرخین نے ان پر درجنوں کتابیں لکھیں۔ ان کی کشور کشائی کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اس ہدی خواں نے مملکت اسلام میں 22 لاکھ مربع میل کا اضافہ کیا تھا۔ جدید دنیا کو انتظامِ سلطنت کے راز بتائے اور مدینہ میں اسلامی حکومت ایسے چلا کر دکھائی جو آج بھی اچھے حکمرانوں کیلئے رول ماڈل ہے۔

مؤرخین کی رائے ہے کہ اگر اسلام کو عمر رضی اللہ عنہ جیسا ایک اور حکمران میسر آجاتا تو دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی نہ رہتا مگر آپ کو نو روز سن ہجری، یکم محرم کو مصلائے رسول سے اٹھا کر تخت شہادت پر بٹھا دیا گیا۔ قاتل مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز تو غلام تھا جو آلہ کار تھا مگر تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان کا قتل ایک منظم سازش کی پہلی کڑی تھی جس کی دوسری کڑی قتل عثمان رضی اللہ عنہ، تیسری قتل علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی سازش کے تحت جام شہادت نوش کر جاتے مگر اللہ کو بھی ان سے خدمتِ اسلام لینا تھی، اس لیے زخم کاری کھا کر بچ رہے آخری کڑی کربلا میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور عین سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خون ناحق تھا۔ سازشی عناصر، کا سرغنہ عبداللہ بن سبا اور اس کے متبعین کوئی لایونی تھے جن کا آخری مقصد اسلام کی وحدت اور مسلمانوں کی

یگانگت کو پارہ پارہ کرنا تھا اور یہ مقصد انہیں یوں حاصل ہوا کہ اسلام، دو ٹکڑے ہو کر سنی اور شیعہ ہو گیا اور امت محمد یہ ہمیشہ کیلئے دولخت ہوگئی۔

شاعر لوگ کہتے ہیں کہ اسلام ہر کربلا کے بعد زندہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں کربلا کے میدان میں سبط نبی ﷺ کے ساتھ اسلام بھی ذبح ہو گیا۔ کیا یہی اسلام کی حیات ہے؟ کربلا میں مقتلِ حسین رضی اللہ عنہ سے ملت ابراہیمی کے بطن سے ملت جعفریہ نے جنم لیا۔ نیا اسلام اور نئی ملت، سبحان اللہ، شاعروں کے کیا کہنے۔ گویا وہ اتنے کم نگاہ ہیں کہ یہ تک نہ سوچ سکے جنگ کربلا سے اسلام کے سرمایہ میں کتنا بڑا نقصان واقع ہوا۔ متاع کارواں کے لٹ جانے کا احساسِ زیاں بھی جاتا رہا۔ یہ احساس زیاں اگر آج بھی زندہ ہو جائے تو اسلام کے ٹوٹے ہوئے دو بازو پھر سے جسد اسلام سے جڑ سکتے ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جہانگیری اور جہاں بانی کے اوصاف سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔ رات کا گشت اپنے ذمہ لیا تاکہ رعایا نچنت ہو کر سوئے اس کے حالات سے ذاتی آگاہی حاصل رہے۔ غلام نے چاہا کہ بیت المال سے سامان خورد ونوش اٹھالے اور بیوہ اور اس کے بچوں کو پہنچادے تو فرمایا کہ میدان حشر میں یہ میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟ اس لیے اسے میں ہی اٹھاؤں گا۔ امت میں بیدار رائے عام اور حریت فکر کو رواج دیا۔ برسرِ منبر اپنے کرتے کی چادروں کا حساب دیا۔ چاہا کہ مہر کی رقم مقرر کر دیں کیونکہ لوگ اس سلسلے میں افراط وتفریط کا شکار ہو گئے تھے۔ بیدار رائے عام کا حسن دیکھئے کہ ایک عام عورت اس پر اعتراض اٹھاتی اور پوچھتی ہے: عمر رضی اللہ عنہ! جب اللہ تعالیٰ ہمیں قنطار (خزانہ) دیتا ہے تو آپ مہر کی رقم مقرر و محدود کرنے والے کون ہوتے ہیں تو جواب میں آپ اپنا ارادہ بدل دیتے ہیں۔ گورنروں کی تقرری کے وقت ان سے املاک و دولت کا ریٹرن لیتے اور جب وہ مدت عہدہ پوری کر کے واپس آتے تو پھر تفصیلات کا ریٹرن لیتے اور اگر کوئی اضافہ غیر معمولی دیکھنے میں آتا تو سلب کر کے غربا میں تقسیم کر دیتے۔

مسند قضا پر نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے متقی صحابہ کو بٹھاتے تاکہ عوام کو بے لاگ انصاف ملے۔ اپنے سامنے آنے والے مقدمات وتنازعات قاضی امت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ریفر کر دیتے کہ ان میں معاملہ فہمی اور فیصلہ سازی کی لیاقت زیادہ تھی۔ شراب پینے کی سزا 80 درے مقرر کی۔ فقیہ مجتہد تھے۔ قحط کے زمانے میں لوگ چوری چکاری کرنے لگے تو ہاتھ کاٹنے کی سزا اس وقت تک معطل کر دی، جب تک ریاست ہر فرد کو پیٹ بھرنے کا سامان رزق مہیا نہ کر سکتی۔ قحط ختم ہوا تو قطع الید کی سزا بحال ہوگئی۔ اجتہاد فی الاسلام کا یہ کیسا خوبصورت نمونہ

ہے! ایمان لانے کا واقعہ دیکھیے۔ دارالندوہ میں اشرارِ مکہ جمع تھے اور آپ ﷺ کی دعوت اسلام اور اس کے نتیجے میں ایمان لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ان کے زیر بحث تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اس سارے جھگڑے کو ہی مٹاتے ہیں اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ تلوار بے نیام کر کے چلتے ہیں مگر تماشا یہ ہوا کہ راستے میں بہن کے گھر میں تلاوتِ قرآن سنتے ہیں تو اندرونی حالت منقلب ہو جاتی ہے اسی طرح شمشیر بدست خانہ ارقم کی طرف چل پڑتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کو تیغ بے نیام کے ساتھ دیکھا تو گھبرا کر حضور اقدس ﷺ کو بتایا تو سید الشہدا عم نبی امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: انہیں آنے دو، اگر برے ارادے سے آئے ہیں تو ان کی تلوار بھی تیار ہے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی دعا: ''اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک سے اسلام کو تقویت عطا فرما'' کو دربارِ حق میں شرف قبولیت حاصل ہو چکا تھا اور عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا سر لینے نہیں بلکہ اپنا سر اُن کے قدموں میں رکھنے آئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی مراد دونوں میں سے کوئی ایک تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا آپشن کھلا رکھا تھا اور فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا تھا۔ دونوں میں سے ایک کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا اور عمر کو چن لیا۔ یوں عمر رضی اللہ عنہ مراد نبی ﷺ کے ساتھ انتخاب اللہ بھی ہو گئے۔ زہے نصیب عمر رضی اللہ عنہ! یہ سعادت کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کے حصے میں نہ آئی۔

موافقات فاروقی، بالقرآن کا باب بھی بڑا درخشندہ ہے۔ حکم پردہ، حکم حرمت شراب، مقام ابراہیم پر نوافل کی اجازت اسارائے بدر کے قتل کی رائے، عبداللہ بن ابی کے جنازہ کا معاملہ اور دیگر کئی ایک مقامات پہ وحی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور خواہش کے مطابق اتری جو اس امر کا ثبوت ہے کہ ان میں خصائص نبوت موجود تھے اور اگر نبی کریم ﷺ خاتم النبیین نہ ہوتے تو اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نبی ہوتے۔

فتح عراق کے بعد مجاہدین صحابہ کا مطالبہ تھا کہ چونکہ عراق کی فتح جہاد بالسیف سے ہوئی ہے اس لیے عراق کی ساری زمین غنیمت میں داخل ہے جو اُن میں قاعدہ غنیمت پر تقسیم کی جائے مگر آپ اس سے متفق نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر ایسا کیا جائے تو عراقی کاشتکار زمین سے محروم ہو کر بے روزگار ہو جائیں گے اور ملک میں بے روزگاری کا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا اور پورا عراق معاشی طور پر تباہ ہو جائے گا۔ دوسری طرف مجاہدین کا مضبوط مؤقف تھا۔ آپ معروف معنی میں معاشی ماہر تو نہ تھے مگر اقتصادیات کا ملکہ ان میں موجود تھا پھر مجتہد تھے۔ آپ نے عراق کی اراضی کو خراجی اراضی قرار دے کر مقامی کاشتکاروں کی ملکیت قائم رکھی یعنی یہ کاشتکار زمین کا مالیہ ریاست کو دیں گے جو مجاہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملے گا۔ زمین پر مالیہ لگانے والے خلیفہ کے طور پر آپ کی شناخت انجیل میں مذکور تھی۔